مکتوب شیخ عبدالحق

بنام

شیخ احمد سرھندی

ترجمہ: سید مظہر علی

مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی کچھ عبارتوں پر ان کے بعض معاصرین نے بہت سے اعتراضات کیے ان معترضین میں علما اور صوفیا دونوں قسم کے لوگ تھے مجدد صاحب نے اپنے بعض خطوط میں ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی مجدد الف ثانی کے معاصر اور جید عالم تھے اگرچہ ان کی وابستگی قادری سلسلے سے تھی، تاہم وہ خواجہ باقی باللہ کے طریقہ سلوک اور ان کے کلام سے بہت دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے مرید بھی ہو گئے تھے۔ شیخ عبدالحق نے مندرجہ ذیل خط میں اپنے تمام اعتراضات کو ایک علمی طریقے سے پیش کیا ہے اس خط کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے یہ ترجمہ جناب خلیق احمد نظامی کی کتاب ''حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' میں طبع شدہ خط پر مبنی ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خير خلقه محمد سيد الاولين والاخرين وعلى آله واصحابه اجمعين هداة طريق الحق ويحيى علوم الدين، اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه ايها الشيخ العالم الفاضل العارف الذى اجتباه اليه وخصه بفضله واعطاه من المعارف مالم يعط غيره من العارفين كما هو تحرفو انفسه والله اعلم بالمتقين فان خصه الله بالا جتباء فنحن نرجو ان يهدينا اليه كما يهدى المتين قال انه تبارك و تعالىٰ يجتبى اليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب والعاقبة بالخير

درد دل دارم لبے از خوئے آن زیبا نگار
فرصتے یا رب کہ دل را پیش وے خالی کنم

اس خوبصورت معشوق کی اداؤں پر میرا دل بری طرح نثار ہو چکا ہے اے خدا میں اتنی مہلت اور موقع چاہتا ہوں کہ اپنا درد دل اس معشوق کو سنا سکوں۔

میں برسوں سے چاہتا تھا کہ آپ کے بعض ان کلمات اور مکالمات کے بارے میں پوچھوں اور معلوم کروں جو آپ نے اپنے حالات، واردات اور کارگزاریوں کے سلسلے میں اپنے نامہ گرامی میں تحریر فرمائے ہیں مگر اس کا موقع نہ ملا خواہ آپ یہ سمجھیں کہ آپ کی نازک مزاجی کی وجہ سے میں نہ پوچھ سکا یا آپ کے مریدوں کی باتوں کی وجہ سے کہ وہ آپ کی باتیں اور حکایتیں بیان کرتے وقت بے اعتدالی کر جاتے ہیں ان حکایات کی تفصیل یہ ہے کہ آپ خواجہ محمد باقی کی خدمت میں حاضر

ہوئے اور ان کی صحبت گرامی سے اس نسبت کا استفادہ کیا اور ترقی کرنے لگے۔ ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد آپ اپنے حالات اور کمالات کا بے حد اندازہ ذکر کرنے لگے اور اس قدر اور اس طرح کہ لوگ حیران ہو گئے کس قدر حیرت کی بات ہے کیونکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر دیتا ہے آپ نے ایسے بزرگوں کی گرفت کی ہے اور غلطیاں بتائی ہیں کہ جن کی بزرگی پر سب لوگ متفق ہیں آپ نے سید الطائفہ جنید بغدادی اور سلطان العارفین بایزید بسطامی کی غلطیاں پکڑی ہیں اور کہا ہے کہ ان بیچاروں کو اصل بات کی حقیقت کا پتہ نہ چلا اور وہ اصل بات تک نہیں پہنچے اور وہ صرف سایہ تک ہی پہنچ سکے ہیں وغیرہ وغیرہ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ جو چیز آپ کو دی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں دی گئی اور یہ بات لوگوں کی پریشانی کا باعث بنی اور لوگوں نے آپ کے خلاف زیادہ تر یہ شور مچایا کہ آپ نے خواجہ (باقی باللہ) کے بارے میں جو کہ آپ کے پیر و مربی تھے مرید ہوتے ہوئے ان کے ادب کو ملحوظ رکھنے اور ان کا حق نعمت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔ اس جماعت کی اس اصطلاح کے بموجب یہ ممکن ہے کہ ایک مرید کمال میں اپنے پیر سے بڑھ جائے، لیکن اس مرید میں ادب، نیازمندی، انکساری اور حق شناسی باقی رہنی چاہیے۔ شیخ علاء الدین سمنانی جو کہ معاملات اور واقعات کی حقیقت معلوم کرنے میں مسلم تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بارے میں اپنے پیروں سے بھی بڑھے ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ اگر میرا سر آسمان سے چھو جائے تب بھی شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی اور شیخ علی کے آستانے کی خاک کا مرتبہ مجھ سے بلند ہی ہوگا:

بلند مرتبہ زین خاک آستان شدہ ام

غبار کوئے توام گر بر آسمان شدہ ام

میں اسی آستانہ کی خاک سے سربلند ہوا ہوں، اگر میں آسمان پر بھی پہنچ جاؤں تو آپ ہی کے کوچہ کی خاک ہوں۔

اور ایک بات جو سب سے زیادہ خطرناک اور مقام ادب سے دور ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے حضرت غوث الثقلین کے بارے میں کہا ہے کہ ان سے کرامات کا کثرت سے ظہور پذیر ہونا اس وجہ سے تھا کہ ان کا نزول ناقص تھا۔ آپ نے بعض خطوط میں لکھا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیدا کرنے میں یہ حکمت تھی کہ ابراہیمی و محمدی کمالات یکجا جمع ہو جائیں یہ بات تو چاہے کوئی کہے بہت بڑی ہے میرے وجود کی ترکیب میں آنحضرت ﷺ کے خمیر کا بقیہ جوہر شامل کیا گیا ہے یا ایسے مایہ کا خمیر شامل کیا گیا ہے کہ جس سے حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود ترکیب پایا ہے جس طرح کہ کھجور آدم کے خمیر کے بقیہ حصہ سے وجود میں آیا ہے آپ نے کہا ہے کہ اتباع کے پانچ درجے ہیں اور یہ تمام مراتب ہمیں حاصل ہیں اور کہا ہے کہ تمام کمالات محمدی بغیر کسی کمی کے میری ذات میں موجود ہیں لیکن یہ اتباع اور طفیل کی وجہ سے ہے ایک معتبر شخص نے آپ سے یہ بات سنی اور آپ سے پوچھا کہ اس نوبت پر آپ کی تو برائی لازم آتی ہے تو آپ نے جواب دیا کہ وہاں کمال بالذات ہے اور یہاں بطفیل اور آپ نے اپنے کسی دوست سے کہا کہ میں اپنے مرتبہ کو نبیوں کے مرتبہ سے بھی بڑھ کر سمجھتا ہوں اور آپ نے اس کے ثبوت اور صحت کے لیے دلیلیں بھی پیش کیں اور کسی جگہ تجلی محمدی و احمدی کہا ہے اور کہا ہے کہ دورہ الف مجدد الف کے ساتھ ہے یعنی ہزار سالہ دور ہزار سالہ مجدد کے

ساتھ ہے

اس جیسے کئی کلمات آپ کے مکتوبات میں درج ہیں میں ان تمام کو نظر انداز کرتا رہا، یہاں تک کہ یہ مکتوب ملا جو باعث وحشت و نفرت ہوا جس میں آپ بیان فرماتے ہیں کہ:

میں اللہ کا مرید بھی ہوں اور اللہ کی مراد بھی ہوں اور میرا سلسلہ ارادت بغیر کسی وسیلہ کے اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے اور میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب ہے اگر چہ کہ میری ارادت (مریدی) حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی وسیلوں کے ذریعہ ہے نقشبندیہ سلسلہ میں میرا سلسلہ بیعت اکیسویں درجہ پر حضورؐ سے جا ملتا ہے ارادت (مریدی) میں توسطا لازمی نہیں ہے پس میں رسول اللہ کا مرید بھی ہوں اور ساتھی بھی اگر چہ میں اس دولت کے دستر خوان پر طفیلی ہوں لیکن بن بلایا مہمان نہیں ہوں اگر چہ میں تابع ہوں لیکن اپنا ذاتی وجود بھی رکھتا ہوں اگر چہ میں امتی ہوں لیکن شریک دولت بھی ہوں لیکن میری شرکت ایسی نہیں ہے جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہو کیونکہ یہ کفر ہے، بلکہ یہ شرکت ایسی ہے جیسے کسی خادم کی شرکت مالک کے ساتھ ہوتی ہے۔ جب تک کہ مجھے اس دستر خوان پر بلایا نہیں گیا میں حاضر نہیں ہوا ہوں اور جب تک حکم نہیں ہوا میں نے اس دولت پر اپنا ہاتھ دراز نہیں کیا ہے۔ اگر چہ میں اویس کی طرح ہوں لیکن میرا مربی حاضر و ناظر ہے اگر چہ سلسلہ نقشبندیہ میں میرے پیر عبدالباقی ہیں، لیکن میری تربیت کی کفالت اللہ باقی نے کی ہے میں نے فضل رب سے تربیت پائی ہے اور اس پسندیدہ راستہ سے گزرنے کی وجہ سے میرا سلسلہ سلسلہ رحمانیہ ہے اور میں عبدالرحمٰن ہوں، کیونکہ میرا رب رحمٰن ہے اور

میرا مربی ارحم الراحمین ہے اور میرا طریقہ ''سبحانی'' ہے (یعنی میں سبحان ہوں) کیونکہ میں تنزیہہ کی راہ سے گزر چکا ہوں اور میں سوائے اس ذات خداوندی کے اسماء وصفات کے اور اسم وصفت نہیں چاہتا ہوں یہ لفظ ''سبحانی'' وہ سبحانی نہیں کہ بایزید بسطامی جس کی بابت قائل ہو چکے ہیں کہ انہیں اس سے کوئی مناسبت نہیں ہے اور یہ لفظ نفس کے دائرہ سے بقاضائے نفسانی نکلا ہے مگر یہ لفظ نفس اور دنیا سے ماوریٰ ہے اور وہ ایک ایسی تشبیہہ ہے جو تنزیہی لباس میں ہے اس تشبیہہ کا دامن پکڑنے سے اس تک رسائی نہیں ہو سکتی اور وہ کیفیت سکر کے سرچشمہ سے جوش کھا کر اور صحو کے چشمہ سے پیدا ہوئی ہے ارحم الراحمین نے اپنے فضل کے کسی کو اس کا باعث نہیں بنایا سبحانہ تعالیٰ و تقدس بوجہ اس کے کہ وہ انتہائی کرم واہتمام اور غیرت جو میرے بارے میں رکھتا ہے یہ پسند نہیں کرتا کہ میرے حق میں کسی اور کے فعل کا دخل ہو یا یہ کہ میں اس سلسلہ میں کسی اور کی طرف توجہ کروں اللہ جل شانہ میرا مربی ہے اور وہ بے انتہا فضل وکرم والا ہے اور وہ بزرگ ومقدس ہے۔

یہ کیسی باتیں ہیں اور یہ کیسے کلمات ہیں اور یہ کیسی سلطنت اور کیسا دبدبہ ہے یہ تو ساری نفس کی ثناخوانی اور مدح گوئی ہے درویشی تو انکساری، خاکساری، ادب و تواضع اور نفس کو پامال کرنے کا نام ہے۔ خواجہ محمد پارسا نے رسالہ قدسیہ کے آخر میں اس رباعی کے ذریعہ وصیت کی ہے:

اندر رہ حق جملہ ادب باید بود
تا جان باقی است در طلب باید بود
در ہر دم گر ہزار دریا بکشی

کم باید بود خشک لب باید بود

خدا کی راہ میں پورا ادب ملحوظ رہے، جب تک جان باقی ہے اس کی طلب باقی رہے اگر تو ہر لحظہ ہزاروں دریاؤں کا پانی بھی پی جائے تو تیرے لیے یہ بھی کم ہو اور تو طلب خدا میں پیاسا ہی رہے اور تیرے ہونٹ خشک رہیں۔

بعض طریقت کے جاننے والوں نے کہا ہے کہ اس راستے کے گزرنے والے (مالک) اور بارگاہ الٰہی کے مقبول بندے سب ہی اس سلسلہ میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ بعض اقطاب کی جانب سے اپنے اہل زمانہ پر فخر و مباہات کا ادعا کیا گیا ہے اور لوگوں کو اپنے مرتبہ و مقام سے انہوں نے آگاہ کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ خدائے تعالٰی کے حکم سے تھا، نہ کہ نفسانیت کی بناء یا کسی اور طور پر شاید یہاں بھی یہی صورت ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن ان لوگوں نے اپنے اہل زمانہ اور اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں برتری کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے مقابلہ میں بعض مشائخ عظام نے کہا ہے اما مارانی الا رسول اللہ اور حضرت غوث الثقلین نے فرمایا ہے: لیس علی منتہ الا اللہ و رسولہ یہ درست ہے لیکن آپ کہتے ہیں ہم قرب اور وصول میں اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ جہاں درمیان میں کسی کا واسطہ نہیں ہے اور کوئی دخل نہیں دے سکتا نہ رسول اور نہ کوئی اور اگر وہ لوگ واسطہ تھے تو بوقت سلوک تھے چونکہ اب سلوک کی منزل ختم ہو چکی ہے اور ہمیں درگاہ الٰہی میں قرب اور وصل حاصل ہو گیا، اب کسی شخص کا درمیان میں واسطہ نہیں ہے تمام واسطے منقطع ہو چکے بلکہ میں خدا کا آئینہ ہوں اور میں اسی کا برگزیدہ ہوں اور کسی دوسرے شخص کے فعل کو میرے بارے میں کوئی دخل

نہیں ہے اور اس معاملہ میں میں کسی دوسرے کی جانب متوجہ بھی نہیں ہوں۔

وہ دوسرا کون ہے؟ سوائے رسول خدا کے اور کسی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے؟ حاشا و کلا بھلا کون شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح پیش آتا ہے اور گستاخی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان کا ہمسر ہوں کسی وقت میں ان کا مرید تھا اور اب میں بلا ان کے توسط کے خدا کا مرید ہوں اور جو قرب کہ میں خدائے تعالیٰ سے رکھتا ہوں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ نہیں ہے اور جو خلوت کہ میں خدائے تعالیٰ سے رکھتا ہوں اس سے وہ باہر ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ آخر ان باتوں کا مطلب کیا ہے اور ان باتوں سے کیا لازم آتا ہے؟ کیا کسی شیخ اور عارف نے ایسی بات کہی ہے اور ایسا دعویٰ کیا ہے؟ کیا اولیاء اللہ سے ہی الجھنا کافی نہ تھا کہ آپ نے بات پیغمبر خدا تک پہنچا دی؟ میں نہیں سمجھتا کہ اب آگے بات اور کہاں تک پہنچے گی؟ آپ نے کہا ہے کہ اگر چہ میں امتی ہوں لیکن میں دولت میں اور تعریف، کمالات اور فضیلت میں آنحضرت ﷺ کا شریک ہوں اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ میں کسیوقت تابعدار امتی تھا اور حاصل کرنے اور راہ سلوک طے کرنے کے سلسلہ میں ان کی اتباع کرتا تھا اور جب درگاہ خداوندی میں تقرب حاصل ہو گیا تو میں حق تعالیٰ کا مرید ہو گیا اور آپ کا شریک بن گیا کیا راہ خدا میں امت بھی پیغمبر کی شریک ہو سکتی ہے، خصوصاً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو کہ تمام پیغمبروں میں بزرگ اور ان سے بہتر ہیں؟ اور تعجب ہے کہ آپ شرکت کا وجود بیان کرتے ہیں اور کیسی شرکت جس سے ہمسری کا دعویٰ پیدا ہوتا ہے اور یہ کفر ہے اب دوسری کونسی شرکت

ہے کہ جس سے ہمسری نہ ظاہر ہوتی ہو؟ شرکت اور ہمسری ہم معنی لفظ ہیں اور مترادف اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں آپ نے یہ جو بات کہی ہے کہ خادم کی شرکت مخدوم کے ساتھ ہے یعنی اگر چہ یہ خادم کوئی چیز اپنے گھر سے نہ لایا اور جو کچھ ہے، سب آقا کا ہی ہے لیکن آقا جو کچھ رکھتا تھا اپنے خادم کو دے دیا اور اپنے جیسا اس کو شریک بنالیا یہ بات ہرگز نہیں ہوسکتی آقا خادم کو ایسی چیز دیتا ہے جو خادم کے حسب حال ہو آقا کے پاس تو کئی خادم ہوتے ہیں اور ہر ایک کو وہی بخشش دیتا ہے جو اس کے مناسب ہو چنانچہ آپ کے کلام میں بار ہا آگ کا ذکر انہیں معنوں میں آیا ہے اور آگ دینے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ جو کچھ گھر میں تھا دے دیا بلکہ جو اس کے مناسب حال ہو، وہی دیتا ہے اور اس کا اس طرح مطلب نکالنے میں تمثیلات اور تقریرات کی کہاں گنجائش ہے؟ انبیاء کے ساتھ برابری کا دعویٰ خصوصاً سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لغو ہے اور خادم و مخدوم کے لحاظ سے تفریق و تفصیل بیان کرنا اور اصول و فروغ کی بحث چھیڑنا بھی باطل اور فضول ہے۔

بعض مہدویوں کی زبان سے جو کہ خلافت کے فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں سنا گیا ہے کہ وہ سید محمد جونپوری کے بارے میں (جو ان کی گمراہی کا اصل باعث ہے) یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر وہ کمال جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھا وہ سید محمد مہدی میں بھی تھا فرق صرف یہی ہے کہ وہاں یہ بات بالذات تھی اور یہاں باتباع رسولؐ حاصل ہوئی تھی، یہ بات بالکل آپ کے قول کے مطابق کہی جا رہی ہے۔

یہ بھی سنا جاتا ہے کہ شیعہ بھی آئمہ عشرہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہتے ہیں

کہ وہ پیغمبر کے شاگرد ہیں اور پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ استاد کا ہے اور ہر موقعہ پر وہ حق نعمت جاننے والے خادم تھے اور اپنے آقا کے سامنے بجز اطاعت و نیازمندی کے دم نہیں مارتے تھے اور انہوں نے کبھی دعویٰ مساوات نہیں کیا۔

اے ایاز آن پوستین را دار پاس

اس خادم کی مثال جو اس مخدوم کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتا ہے اور گستاخی کرتا ہے اس غلام جیسی ہے جو اپنے مالک کے ساتھ جو کہ بارگاہ سلطانی میں مقرب ہے، بادشاہ کے دربار میں جاتا ہے، مالک بادشاہ کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور غلام بھی وہیں کھڑا ہو جاتا ہے اور جب وہ غلام بادشاہ کی مجلس میں اپنے کو اور خواجہ کو ایک ہی جگہ دیکھتا ہے تو ناز کرتا ہے اور مغرور ہو جاتا ہے اور نادانی اور بے تابی کی وجہ سے جیسا کہ غلاموں کا طریقہ ہے خود کو گم کر دیتا ہے اور بھٹک جاتا ہے اور اپنے کو خواجہ کا شریک اور برابر سمجھنے لگتا ہے کہ میں بھی بادشاہ کا غلام اور اس کا مقرب ہوں اور یہ نہیں سمجھتا کہ جس طرح پہلے بارگاہ سلطانی میں تقرب اور نزدیکی خواجہ کے توسط اور طفیل سے حاصل ہوئی تھی اور وہ درمیان میں واسطہ تھا، اب بھی قرب و نزدیکی جو حاصل ہوئی ہے وہ اسی واسطہ سے ہے لیکن انتہائی غرور، بے عقلی اور ناسمجھی کی وجہ سے توسط کا وجود اس کی نظر سے غائب ہو گیا اور کفران نعمت میں مبتلا ہو گیا۔

آپ اگر بنظر تعمق اس معاملہ پر غور کریں کہ آپ کے قول سے کہ ''مجھے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ابراہیمی و محمدی کمالات جمع ہو جائیں'' کیا مطلب نکلتا ہے اور کیا لازم آتا ہے؟ یہاں وہی خادم اور مخدوم والا جواب دیا جا سکتا ہے ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ بالذات اور باتباع کا فرق بتایا جائے

لیکن خادم اور تابعدار کی جانب سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ ناپسندیدہ اور نہایت نامناسب ہے اس بات پر تعجب ہوتا ہے جو آپ نے کہی ہے کہ اس دولت کے دستر خوان پر اگر چہ کہ میں طفیلی ہوں لیکن ناخواندہ مہمان بن کر نہیں آیا ہوں اگر چہ کہ میں تابعدار ہوں لیکن میرا ذاتی مقام بھی ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ طفیلی خود اس شخص کو کہتے ہیں جو بغیر بلائے آئے اور تابعداری، اصالت کی ضد ہے اور اجتماع ضدین محال ہے اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک لحاظ سے تابع ہوں اور ایک لحاظ سے اصل تو اس کا بھی کوئی مطلب نہیں نکلتا سوائے اس کے کہ پہلے بوقف سلوک پیر و مرید کی حیثیت تھی اور اب قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے بعد اصالت کے مرتبہ پر پہنچ گیا ہوں اور میں خود پیر ہوں اور میں خود مرید ہوں اور تمام وسیلے و واسطے جو درمیان میں تھے ختم ہو گئے، اور درمیان سے نکل گئے، چنانچہ اپنی تربیت کے اسباب کو مختلف طریقوں سے تشبیہ دے کر ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کی مریدی کی وجہ سے بارگاہ خداوندی کے خاص لوگوں میں شامل ہو گیا اب خدا کے ساتھ بلا واسطہ ارادت رکھتا ہوں اس جگہ کوئی واسطہ اور وسیلہ درکار نہیں ہے اور میری مریدی خدا کے ساتھ ہے پس میں باعتبار سابق محمد رسول اللہ ﷺ کا مرید ہوں اور باعتبار حال آپ کا ہمسر ہوں۔

اس بات کے تصور سے اور اس قسم کی باتوں سے مسلمانی اخلاص و اعتقاد کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں خدا کی قسم یہ بات بہت بڑی اور بہت بری ہے آپ یہ جو بلا وسیلہ فائز المرام ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام لوگ حضرت محمد رسول اللہؐ کے مرید ہیں اور رسول اللہؐ خدا کے مرید ہیں اور حق سے فیض

حاصل کرتے ہیں اور مخلوق تک پہنچاتے ہیں نبوت اور رسالت کے یہی معنی ہیں کہ کسی آدمی کو بغیر آپ کے وسیلہ کے خدا تک پہنچنے کا راستہ ملتا ہے اور نہ ہی اس کے دربار میں جگہ ملتی ہے ۔سلوک کا راستہ طے کرتے وقت یا تقریب الٰہی کے بعد اللہ کے ساتھ ارادت کا سلسلہ بغیر کسی غیر کے توسط کے ہوتا ہے اور یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے سلسلہ تو ہر جگہ توسط کے ساتھ ہی ہوتا ہے غالباً یہ بات آپ کے لغزش قلم کا نتیجہ ہوگی یا بصورت مشاکلہ آپ نے اس کو بیان کیا ہوگا۔یہ آپ کی طالب علمی کی بات ہے اور اس وقت یہ بات بہت آسانی سے ممکن ہے

آپ کہتے ہیں" کہ یدمن نائب ید اللہ" (یعنی میرا ہاتھ اللہ کے ہاتھ کا نائب ہے)اللہ کے ساتھ ارادت کا نتیجہ ہے کیونکہ مرید کا ہاتھ پیر کا نائب ہوتا ہے یہ بات بقول حق سبحانہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (10,48) سے بھی ظاہر ہوتی ہے لیکن اس وقت درست ہوتی ہے جب کہ اس پر ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (17,8) کا اثر مترتب ہو کہ ایک مٹھی خاک سے لشکر کو شکست دے دی جائے لیکن یہ تو صرف زبانی بات ہے (حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے)

اب ان معارف اور حقائق کے بارے میں جو آپ نے اس دعویٰ کی تحقیق کے سلسلہ میں تحریر کیا ہے کہ کسی مرید کی سیر اور مراد ایک ایسی چیز ہے جو پیر کے وجدان سے تعلق رکھتی ہے پس اس کے ثابت کرنے کے لیے دلیل و برہان کی گنجائش نہیں ہے تو اس جگہ کوئی کیا بات کرے کہ بات کا راستہ ہی بند کر دیا گیا ہے لیکن ہر چیز کے لیے حجت اور دلیل چاہیے ۔کوئی چیز بغیر حجت اور دلیل کے معقول اور پسندیدہ نہیں

ہوتی اس جماعت کی اصلاح میں اپنے محبوب اور مقصود سے مراد وہی اشخاص ہیں جن میں پہلے جذب کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور انہیں بارگاہ خداوندی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کے بعد سلوک کی توفیق عطا ہوتی ہے اور وہ واصل الی اللہ ہوتے ہیں کیونکہ مجذوب کے معنی سالک کے ہیں اور وہ مرید جو کہ سلوک کی منزل طے کر لیتے ہیں ان کو سالک مجذوب کہا جاتا ہے لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ صاحب سیر مرید اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ خدا کے دربار میں پہنچ اور رسائی کے لیے اسے سید المرسلین سلطان محبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی اور وساطت ختم ہو جاتی ہے اور وہ تمام کمالات میں سید المرسلین کے برابر ہو جاتا ہے اور شرکت و ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرتا ہے اور مجموعہ کمالات ابراہیمی و محمدی ہو جاتا ہے اس منزل کا رہرو محمد رسول اللہ ﷺ کا ہمسر ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاواسطہ خدا کے مرید ہیں، میں بھی خدا کا بلا واسطہ مرید ہوں یہ بات آپ نے جو لکھی ہے کہ جس کسی کو حق سبحانہ تعالیٰ قوت قدسیہ عطا کرے تو وہ صاحب سلوک کے احوال و اوضاع کو اچھی طرح ملاحظہ کرے اور ان علوم و معارف الٰہی کے فیوض اور برکات کو جس سے وہ ممتاز ہے ملاحظہ کرے تو وہ اپنے مراد (یعنی پیر یا پیغمبر) سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ جب آپ اس قدر ادراک اور شعور نہیں رکھتے کہ ہمارے اوضاع و احوال اور جمال و کمال کا ملاحظہ کر سکیں اور ہمارے علوم و معارف کے فیوض و برکات کو جس سے ہم ممتاز و منفرد ہیں، مشاہدہ کر سکیں اور ہمارے سلوک کی کیفیت سے واقف ہو سکیں تو پھر اب دوسری دلیل پیش

کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس وقت وہ بات یاد آتی ہے کہ ایک دفعہ آپ کے ان ہی دوستوں میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں تحریر کیا تھا کہ تعجب ہے باوجود اس عظمت وجلالت اور مرتبہ کے آپ سے کرامات کا ظہور نہیں ہوتا تو اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ کون سی کرامات ان معارف اور حقائق سے بلند ہیں جو ہم پر وارد ہوتے ہیں اور جن کے متعلق ہم نے بیان کر دیا ہے اور دوسروں کو ان باتوں کے بیان کرنے کی طاقت حاصل نہیں ہے؟ آنحضرت ﷺ کا معجزہ بھی تو ایک بات ہی تھی جو اعجاز کے مرتبہ پر پہنچی او کما قلتم مرضی ھذا

اب ہم اپنے مقصد پر آتے ہیں آپ کا امتیاز علوم و معارف کے بیان کرنے کی وجہ سے نہیں ہے اور جو چیز زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم آپ کو عالم و فاضل، ماہر، دانشمند اور سخن دان سمجھیں بلکہ آپ کو عارف اور مکاشف بھی کہیں لیکن یہ بات ہم کیسے معلوم کریں کہ آپ تکمیل منزل میں اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ حضرت سید المرسلین و سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ آپ کے اور خدائے تعالیٰ کے درمیان باقی نہیں رہا ہے حتیٰ کہ آپ آنحضرت ؐ کے ہمسر اور ہم مرتبہ ہو چکے ہیں؟ یہ بات تکمیل منزل سلوک کے لیے لازمی نہیں ہے اور پھر احوال واوضاع اور علوم و معارف میں کہیں غلطی ہو جانے کا بھی امکان ہے (حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے لیے عصمت مخصوص ہے) اہل کشف کا اتفاق اس امر پر ہے کہ کشف میں غلطی ہو سکتی ہے آپ نے جو شیخ ابن عربی کی غلطیاں ثابت کی ہیں، اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ باوجود ان حقائق و معارف کے جو شیخ رکھتے تھے ان سے غلطیاں ہوئی ہیں۔

آپ نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ ہمارے خواجہ قدس سرہ نے اس فقیر کی ابتدائی منزل کو ہی انتہائی منزل قرار دیا تھا حضرت خواجہ نے آپ پر بہت کرم کیا اور لوگ اس بات سے واقف ہیں اور سب سے زیادہ یہ فقیر واقف ہے اگر وہ اس وقت زندہ ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اس بات پر راضی نہ ہوتے اور کوئی شخص بھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا ہمیں امید ہے کہ اب بھی اپنے دل میں اس بات پر راضی نہ ہوں گے، واللہ اعلم اور عبادت کے ابتدائی زمانہ میں آپ کو ان باتوں کا کوئی نشان مل گیا ہوگا اور بعد میں وہ حالت بدل گئی ہوگی۔ اللہ احوال کا تبدیل کرنے والا ہے جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت (39,13) آپ کا مقصد یہ ہے کہ ابتدائی حال ہی میں جب آپ پر یہ حکم لگتا ہے تو اس کی انتہا کیا ہوگی؟ یہ تو مسلم ہے کہ آپ نے سلوک کی ابتدائی اور انتہائی منزلیں طے کی ہیں لیکن تکمیل منزل کا یہ نتیجہ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا اور اس طرح برابری ہوگئی کہ آپ کا وسیلہ درمیان سے ساقط ہوگیا، یہ بات باطل ہے پھر وہی بات جو مذکور ہو چکی ہے، پیش آئے گی اور مکرر ہوگی۔

آپ نے لکھا ہے: معصومیت انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں ہے قرآنی آیتوں میں لفظ اجتباء ہر جگہ انبیاء علیہم السلام کے لیے آیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ ما یشاء فامنو باللہ رسلہ (178,3) انبیاء کے ذکر کے بعد ارشاد ہوتا ہے واجتبینھم وھدینھم الی صراط مستقیم (88,6) حقیقت یہ ہے کہ اجتبا کے معنی چننے کے ہیں حق تعالیٰ انبیاء کو بغیر کسی سابقہ کسب اور سلوک کے منتخب فرماتا ہے اور اولیاء کو کسب و ریاضت کی بناء

پر اور انبیاء کی اتباع کی بنیاد پر منتخب کرتا ہے۔ لیکن اس جگہ اجتباء کا مفہوم وہ نہیں ہے جو انبیاء کے لیے استعمال ہوا ہے بلکہ کچھ اور ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ یجتبی الیہ من یشاء و یھدی الیہ من ینیب (13,42) آپ کے پاس یہ بات باعث افتخار نہیں ہے بلکہ عدم توسط باعث افتخار ہے جیسا کہ آپ نے ادعا کیا ہے اور بیان کیا ہے

آپ کا یہ قول ہے کہ: سالک کو فیوض کے حصول میں حضرت خیر البشر علیہ وآلہ وسلم کی وساطت اور وسیلہ کی اس وقت تک ضرورت ہے جب تک کہ سالک کی حقیقت، حقیقت محمدی کے ساتھ (جو کہ تمام حقائق کی جامع ہے اور جسے حقیقۃ الحقائق کہتے ہیں) منطبق اور متحد نہ ہو جائے چونکہ آپ کی کامل متابعت کی وجہ سے محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی بناء پر اس حقیقت کا اس حقیقت کے ساتھ اتحاد ہو جاتا ہے تو توسط ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وساطت اور توسط میں غیریت پائی جاتی ہے سالک کی حقیقت کا اتحاد، حقیقت محمدی کے ساتھ جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ بات انصاف اور ادب کے مقام سے بعید ہے اور یہ صریح گستاخی اور فضول ڈینگ ہے۔ حکم عقل سے قطع نظر دو چیزوں کا ایک ہو جانا محال ہے اگرچہ کہ وہ جزو کل اور جزی کلی ہوں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر سالک کی حقیقت جو اس مرتبہ و مقام پر پہنچ جاتا ہے حقیقۃ الحقائق بن جائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات باطل ہے پس اگر اہل حقیقت میں سے کسی پر اس ات کا اطلاق ہوتا ہے تو متحد ہونے کا مطلب فناء اور کامل اتباع اور غلبہ محبت کے سبب اس کے حضور میں اپنے آپ کو غائب کر دیتا ہے جس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں وہ خود تمام عالم کا شیخ اور جملہ بنی آدم کا

پیر اور تمام کائنات اور موجودات کا قبلہ بن جاتا ہے علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التحیات جس طرح کہ خدائے تعالیٰ کی ذات مطلق سے اتحاد کی تفسیر بیان کی گئی ہے کہ خدا کی ہستی میں ایسا غرق ہو جانا جیسا کہ قطرہ میں ہوتا ہے چونکہ حکمی اور اعتباری اتحاد نفس الامری اور حقیقی اتحاد کے ساتھ مغائرت نہیں رکھتا، اس لیے توسط اور وساطت کے منافی نہیں ہوگا اور خود سالک کی حقیقت کا تشخص اور تعین اور اس کی جزوی حیثیت باقی رہتی ہے۔ جس طرح کہ اہل فنا و توحید کہتے ہیں:

تو او نشوی و لیکن ار جہد کنی
جائے برسی کز تو توئی بر خیزد

تو وہ نہیں بن سکتا لیکن اگر تو کوشش کرے تو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں تجھ سے توئی اٹھ جاتی ہے (اور دوئی باقی نہیں رہتی) یعنی وہ ''توئی'' اور وہ ''اوئی'' جو گم ہونے اور فنا ہونے سے پہلے اس میں موجود تھی بلکہ یہی گم ہونا اور فنا ہونا آنحضرت کے توسط سے خدائے تعالیٰ سے تقریب کا ذریعہ ہے۔ پس یہ اتحاد اور یہ انطباق جو حاصل ہوا ہے اگر چہ اس طرح بے خودی اور فناء کے جذبہ کے غلبہ کے تحت واصل بحق ہونے والا وساطت کو معلوم نہیں کر سکتا۔ عارف لوگ حقیقت محمدی کو ہی واسطہ جانتے ہیں اور اسی کے ذریعہ مقصد پا لیتے ہیں۔ اس میں اشیا کے فانی ہونے سے متعلق جس قدر صفات ہیں اور خدا سے وصل کے لیے اعراض و جواہر کے کمالات درکار ہیں، وہ آپ کو حاصل ہیں کیونکہ انہیں کے ذریعہ اس حقیقت تک رسائی ہوئی ہے اور ان میں فنا ہو چکے ہیں اور اتحاد کا اس پر اطلاق ہو گیا اور یہ اس نسبت لطیف کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ بات بہت ہی دقیق ہے اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔

آپ کا قول کہ جہاں اتحاد ہو وہاں معاملہ شرکت کا ہو جاتا ہے تعجب سے خالی نہیں ہے۔ شرکت کا تقاضا دوئی ہے اور کسی کام میں شرکت دو اشخاص ہی کرتے ہیں۔ حقیقت میں اتحاد شرکت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا یعنی فنا اور گم ہو جانا بھی جو کہ اتحاد حکمی ہے، فانی اور غائب کا درمیان سے نکل جانا ہے اور فنا ہو جانا ہے تو پھر اس کے ساتھ شرکت کی کیا صورت ہے؟ توسط کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ اس میں دوئی پائی جاتی ہے تو پھر شرکت بھی تو وہی چیز ہے۔

آپ کا قول ہے کہ سالک تابع اور طفیلی ہے اور ''طفیلی'' خادم اور مخدوم کی شرکت کا نام ہے لیکن یہ بات بالکل لاحاصل ہے اور اگر یہ خادم اپنے مخدوم کی تمام صفات و اسما میں شریک ہے تو پوری طرح برابری اور ہمسری لازم آتی ہے پھر ناموں میں خادم اور مخدوم کی تفریق سے کیا فائدہ؟ اگر کوئی فائدہ نہیں ہے تو پھر اتحاد کے کیا معنی ہوئے؟ اس خادم اور مخدوم والی بات آپ کے کلام میں کثرت سے بیان کی گئی ہے۔ ابراہیمی اور محمدی کمالات کے اجتماع میں بھی آپ نے یہی بات کہی ہے اور پھر اس سے گریز اختیار کیا ہے لیکن ان باتوں سے کیا فائدہ؟

آپ نے لکھا ہے کہ مجھے ابتدائی دور میں حضرت کائنات سے خاص محبت پیدا ہو گئی تھی اور اس محبت کے غلبہ کی حالت میں میں کہتا تھا کہ خدائے تعالیٰ کے ساتھ میری محبت اس وجہ ہے کہ وہ رب محمد ہے۔ یہ بات بظاہر اچھی لیکن باعث تعجب ہے کیونکہ اس کے معنی صحیح اور درست نہیں ہیں۔ منعم کے ساتھ محبت فطری امر ہے اور تمام نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ و توسط سے ملی ہیں اس لیے آنحضرت کی محبت خدا کی محبت پیدا کرنے کا اعلیٰ اور زیادہ قریبی ذریعہ ہے اور آپ

کی محبت خدا کے لیے لازمی ہے۔ از روئے عقل بھی دوسری بات زیادہ واضح ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ خدا کی محبت اس کے صفات کی محبت کے انعام کے طور پر ملی ہے اور یہ بات محبت بالذات کی بابت ہے تو میں کہوں گا کہ یہ بھی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ آنحضرت، حق تعالی و تقدس کی ذات کے مظہر خاص ہیں۔ آپ کی محبت اور آپ کے ساتھ جذبہ الفت، خدا کی محبت اور خدا کے ساتھ جذبہ الفت کے مترادف ہے۔ کاش آپ کی بھی کیفیت یہ ہوتی اور آپ بھی عشق محمدی میں والہ وشیدا اور فانی ہو جاتے تا کہ آپ کو آنحضرت کی برابری اور ہمسری کے کلمات زبان سے نکالنے کی جرات نہ ہوتی۔ حضرت صدیق اکبر کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ سنگریزے اپنے منہ میں ڈال لیتے اور حضور انور کے جمال کے دیدار کے لیے چہرے پر اپنی نظریں گاڑ دیتے اور محبت کے ربط کا خیال رکھتے اور دم نہ مارتے۔ اکثر اصحاب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کا یہ حال تھا کہ " کانوفی مجلسہ کان علی روسھم الطیر " (وہ آپ کی مجلس میں اس طرح بیٹھتے گویا آپ کے سروں پر پرندے بیٹھ جاتے) اور خدائے تعالی کا ارشاد ہے

: یا ایھا الذین آمنو لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی (2,49)

(اے ایمان والو! نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو) یہ اسی طرف اشارہ ہے آپ کا قول ہے کہ جب تک اس قسم کی محبت نہ ہو فنا، گم گشتگی، مستقل توجہ، حضور و استغراق کے سلسلہ میں اتحاد و الحاق جو عشق حقیقی اور محبت صادق کے لیے لازمی ہے پیدا نہیں ہو سکتا نہ کسی اور طرح سے۔

آپ کا قول ہے کہ جذبہ کے طریقہ کو جب مطلوب کی جانب سے کشش ہوتی ہے اور عنایت الٰہی طالب کے شامل حال ہوتی ہے تو وہ مجبور ہے کہ وسیلوں کو قبول نہ کرے۔ سلوک کے طریقہ میں جبکہ انابت طالب کی جانب سے ہو تو وسیلوں کا وجود باقی نہیں رہتا آپ کے کہنے کا اصل مدعا یہی ہے اور یہ ایک بے دلیل بات ہے جذبہ، مرادی اور محبوبی کا طریقہ جیسا کہ سابق میں بیان ہو چکا ہے اس کا زیادہ انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کی مہربانی اپنے بندہ کو قبل اس کے کہ وہ طلب کرے یا راہ سلوک اختیار کرے اپنے میں جذب کر لیتی ہے اور یہ انجذاب ایک جمالی صفت ہے جس کے ذریعہ سلوک آسان ہو جاتا ہے، یہ بات وسیلوں کے وجود کے منافی نہیں ہے۔ چونکہ تنہا جذبہ کام نہیں آتا اور سلوک بغیر وسیلے کے نہیں ہوتا، اس لیے وسیلوں کا وجود لازم آتا ہے جیسا کہ جماعت کا طریقہ ہے اور جیسا کہ آپ نے خود بھی بیان کیا ہے کہ جذبہ کے لیے ہر چند کہ وسیلوں کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ تمام سلوک پر منحصر ہے۔ اگر یہ چیز سلوک میں شامل نہ ہو تو جذبہ نا مکمل اور نا تمام ہوگا۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ سلوک میں جذبہ کے دوران وسیلوں کی ضرورت صرف تقرب الٰہی سے پہلے ہوتی ہے اور وصل الٰہی ہو جانے کے بعد یہ بات ختم ہو جاتی ہے تو یہ بات طریقہ سلوک کے برخلاف ہے کیونکہ وہاں پر تقریب الٰہی کے بعد بھی وسیلہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جیسا کہ آپ نے کہا ہے کہ جذبہ کے طریقہ میں اگر شریعت کی اتباع کے ذریعہ سے کہ جس سے مراد سلوک ہے مطلوب سے تقرب حاصل ہوتا ہے تو یہ بلا واسطہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس دعوے کی کیا دلیل ہے؟ جذبہ کا مفہوم ان لوگوں کے طریقہ سے حصول میں خود مفید نہیں ہوتا جیسا کہ معلوم ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ سلوک کے طریقہ میں وسیلوں کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ہمیں جو کہ توسط کے نور اور وجود کے قائل ہیں اس بات سے مطلق تعلق نہیں ہے لیکن بطور بحث اور مناظرہ سے کہا جاتا ہے کہ کیوں وہ بھی تقریب حاصل کر لینے کے بعد وسیلوں سے چھٹکارا نہیں پالیتا۔ چنانچہ جذب کے وجود میں سلوک کے بعد یہی ہونا چاہیے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جذبہ کی خاصیت ہی عدم توسط اور وسیلے کو ختم کرنا ہے۔ آپ کے کلام میں بھی اس جانب اشارہ موجود ہے جو آپ نے بیان کیا ہے کہ سلوک کے طریقہ میں شیوخ میں سے جو بھی درمیان میں آتا ہے وہ سالک کے لیے توسط اور پردہ ہے افسوس اگر حال کے آخر میں اس کا انتظام نہ کیا جائے، یعنی وسیلے درمیان سے ختم نہ ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جذبہ کے طریقہ اور وصول سلوک ہر دو میں تقرب سے پہلے وسیلے ضروری ہیں اور اگر جذبہ کے طریقہ میں تقرب کے بعد وسیلے ساقط ہو جاتے ہیں تو سلوک کے طریقہ میں باقی رہتے ہیں پھر دونوں جگہ توسط کیوں باقی نہیں رہتا اور کیوں دونوں جگہ ساقط نہیں ہوتا؟ قابل اعتراض بات تو؟ ہے اگر یہ کہا جائے کہ یہ بات کشفی وجدانی نہیں ہے تو پھر بحث کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ دوسری بات ہے لیکن آپ نے استدلال کی پابندی کرتے ہوئے یہ توجیہ کی ہے کہ چونکہ جذبے کے طریقے میں مطلوب کی جانب سے کشش ہوتی ہے اور عنایت الٰہی طالب کے شامل حال ہوتی ہے تو وہ مجبوراً وسیلوں کو قبول نہیں کرتا سلوک کے طریقے میں چونکہ محبت طالب کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے وسائل کے بغیر چارہ نہیں ہے جذب اور سلوک دونوں ہی کے لیے لازمی ہے اس میں تقدیم و تاخیر کی بحث سے کوئی فائدہ نہیں اگر آپ کا یہ کہنا ہے کہ مدعی اور دلیل

دونوں کشفی ہیں جیسا کہ آپ سے ایک دفعہ پہلے میں نے اس جیسی بات سنی ہے تو یہ طریقہ گریز خوب ہے اور اس کے بعد عدم توسط سے اثبات اور ان طریقوں کے بارے میں دوسری بات کہہ رہے ہیں پہلے تو بوسیلہ تقریب الٰہی کا حاصل کرنا جو کہ حق کا پانا ہے مجبوراً بلا توسط ایک ایسا کام ہوگا جو کہ وساطت کے تابع ہے اور اگر توسط ہے بھی تو ترتیبی ہے جس سے مراد سلوک ہے کہتے ہیں کہ وساطت کا طریقہ جذب کے طریقوں میں سے ایک ہے نہ کہ سلوک کے طریقوں میں سے۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اگرچہ معیت وو ساطت کا راستہ جذبہ کا ہی ایک راستہ ہے اس لیے قرار پاتا ہے کہ جذبہ کے راستہ میں سلوک کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ پس معیت کے طریقے میں تقرب کے لیے اس کی ضرورت ہوگی اور وسیلوں سے گریز نہیں ہے اور اس میں بھی وہی بات ہوگی جیسا کہ جذبے کے راستے میں بیان کی گئی دوسری مثال سایہ کی اصل کے ساتھ دی گئی ہے۔ اگر عنایت الٰہی کی وجہ سے سایہ کو اپنے اصل سے تعلق پیدا ہوگیا ہے اور اس سایہ کو اس اصل کی وجہ سے تقرب حاصل ہو جاتا ہے تو یقیناً بغیر توسط کے کوئی بات واقع ہوگی چونکہ وہ اصل، اسما الٰہی میں سے ایک اسم ہے، لہٰذا اسم اور مسمی کے درمیان وہ حائل نہیں ہو سکے گی اور سایہ کا تقرب اسی سبب سے اصل کے ساتھ ہو جائے گا، کیونکہ مسمیٰ وہ اسم ہے کہ جو کسی وسیلہ کے بغیر ہوگا۔

ظاہر ہے کہ یہ بھی اسی جذبہ کے طریقے کی وجہ سے ہوگا۔ چنانچہ محبت کے طریقے میں بھی یہ سلوک کا محتاج ہوگا۔ اس جگہ جذبہ کا طریقہ بھی وہی ہے جو وہاں تھا۔ دوسرے یہ کہ سایہ کی کشش اصل کی طرف مسلم ہے اور اسم کا مسمیٰ کے ساتھ

اتصال بھی اسی طرح ہے لیکن سایہ کا تقرب اصل کے ساتھ جو اس اسم کا مسمّی ہے کیوں اس اسم کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس طرح ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے کہ جو کوئی ذات سے مل گیا تو لازماً توسط اس کے راستے سے مفقود ہو جاتا ہے حضرت حق سبحانہ کی ذات سے تقریب کے وقت توسط اور صفات کا حجاب درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ غیر کے توسط اور پردہ کی یہاں کس طرح گنجائش نکل سکتی ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ صفات، ذات کا پردہ ہیں اور درمیان سے یہ پردہ کبھی نہیں ہٹتا۔ اگر ایک پردہ اٹھتا ہے تو دوسرا پردہ اس کی جگہ لے لیتا ہے ذات کو صفات کے پردے کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا لیکن صاحب شہود، انجذاب کے غلبہ اور اس کی طرف پوری توجہ کیے بغیر، صفات کے ذریعہ بھی اس کی ذات کا ملاحظہ نہیں کر سکتا اور ہر لحاظ سے پردہ حائل رہتا ہے خواہ کوئی اسے پائے یا نہ پائے۔ حدیث میں وارد ہے: حجابہ النور ولعمر النبی نور، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموں میں سے ایک نام ہے اگر اس سے مراد ذات کا نور لیا جائے جو کہ ذات کے لیے حجاب ہے تو نور محمودی بموجب نور علی نور۔ یھدی اللہ لنورہ من یشاء (35,24) اس کا مصداق ہوگا۔ اس سے قطع نظر اس کا خدائے تعالیٰ سے تقرب ہوگا۔ اگر جذبے کی طرف سے یہ بات ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو یہاں بھی وہی بات ہوگی جس کا ذکر جذبہ کے تحت آیا ہے کہ سلوک میں یہ ضروری ہے اور اگر جذبے کا طریقہ نہیں ہے تو سلوک کا راستہ خود ہی مسلمہ واسطہ ہے اول سے آخر تک ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے قربت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے۔ اس سلسلہ شریفہ کے طریقوں میں مشغول لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ یہ کام کریں تاکہ حضوری کا

اور کلام حق کا شرف حاصل کریں۔ اس کے بعد اگر سلوک کی توفیق نصیب ہو تو ان پر سالک اور مجذوب کا حکم لگے گا اور وہ کلام کے لائق ہوں گے۔ اس شغل میں جہالت و اعتبارات کی نفی اور اس کا انقطاع ضروری ہے۔ اگر اس نسبت کے بیان کرنے اور اس حالت کے ذکر کرنے کا مقصد ماسوی اللہ کے نقوش کو لوح قلب سے صاف کرنا ہے تو یہ بات خود تمام بیعت کنندگان کو ان کے حالات کے مطابق میسر ہوتی ہے پھر اس قدر خوشی اور فخر کیوں اور راجتبا، شرکت، اصالت مرادی اور مریدی اور خادمی و مخدومی کا ذکر کیوں ہے؟ پس معلوم ہوا کہ اس سے مقصود کوئی اور چیز ہے اور اس سے اعلیٰ مقام کا ذکر کرنا ہے۔ شاید یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل سے ایسے مقام پر پہنچا دیا ہے کہ خدا سے تقرب کے تمام درمیانی اسباب و وسائل ختم ہو گئے ہیں اور خدائے تعالیٰ نے انتہائی کرم و اہتمام اور غیرت کے سبب کہ جو اسے میرے بارے میں ہے، پسند نہیں فرمایا کہ کسی دوسرے کا فعل میرے حق میں دخل انداز ہو یا میں اس سلسلہ میں کسی کی جانب متوجہ ہوں۔ میں خدا کا مرید ہوں اور رسول کا ہمسر۔ ان باتوں کا اس مقصد سے کیا تعلق اور اس قدر عجیب مقدمات اور توجیہات اس تقریر کو ثابت کرنے کے لیے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ درحقیقت ذات کی طرف توجہ کرنے اور مشغول ہونے کی صورت میں بھی روح محمدی تمام وجودی اور شہودی مراتب کو گھیرے ہوئے ہے اور محیط ہے، ذات وصفات کے لیے واسطہ ہے اگر چہ مشاہدہ کرنے والا خود اس بات سے آگاہ نہ ہو۔ جس طرح کہ روشنی کی مدد سے چیزیں نظر آتی ہیں اسی طرح جس کسی کو نور، ہدایت، ادراک اور دریافت سے واسطہ ہے، وہ حقیقت محمدی کے توسط

سے ہی ہے۔

ہر کجا نور است ساطع یا کمالی باہر است

پرتوی از آفتاب آن جمال افتادہ است

جہاں کہیں کوئی قطعی نور ہے یا واضح کمال ہے وہ اسی جمال کے آفتاب کا ایک پرتو ہے۔

آپ کا قول ہے کہ حقیقت میں یہ مقام وہ ہے کہ سرور کائنات علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ دو طرح سے ہو سکتا ہے ایک تو اس طرح کہ آپؐ سالک اور مطلوب کے درمیان حائل اور حاجب ہوں۔ دوسرے یہ کہ سالک آپ کے فضل، توسط اور اتباع کی وجہ سے مطلوب اور واصل ہو جائے۔ سلوک کے طریقے میں اور حقیقت محمدی تک پہنچنے سے پہلے، دونوں طرح کا توسط ہوتا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس راہ میں شیوخ ہی سے بھی جو کوئی درمیان میں آ کر وسیلہ اور حجاب بن جاتا ہے وہ سالک ہے اور اگر آخر کار جذبہ اس میں شامل ہو جائے تو معاملہ بے پردہ کیسے نہ ہو گا۔ کیونکہ جذبے کے طریقے میں حقیقت الحقائق تک پہنچنے کے بعد توسط دوسرے معنی میں ہے جو بطفیل و باتباع ہے نہ کہ حیلولہ و حجاب جو شہود کے لیے پردہ بن جائے۔ مشائخین طریقت حضور کے توسط اور عدم توسط کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں، بعض توسط کے قائل ہیں اور بعض عدم توسط کے۔

اتباع اور طفیل کے توسط کے بارے میں کسی کو کہنے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے اور عام عارفین و محققین اس بات پر متفق ہیں کہ سالک اور مشہود و مطلوب کے درمیان وسیلہ موجود ہے۔ یعنی آنحضرت بطور حجاب درمیان میں ہیں

اور کوئی مشہود و مطلوب بغیر حضور کے روحانی وسیلہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے مخالفین کا قول تنگ نظری کی وجہ سے ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ آنحضرت کی روحانیت کا توسط تمام مراتب وجودی و شہودی، ظاہری و باطنی اور تمام عالم ہائے جسمانی و روحانی کے لیے ثابت ہے اور یہ توسط حجاب میں داخل نہیں ہے کیونکہ اس پردہ سے جو مشہود پر پڑتا ہے وہ اور زیادہ روشنی اور انکشاف کا سبب بن جاتا ہے اور عنیک کے پردہ کے رنگ میں دنیا پر ظاہر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر وجود کا ادراک اور مشہود ذات بغیر پردہ کے ممکن نہیں ہے:

در پردہ عیان باشم و بے پردہ نہان

میں پردہ میں ظاہر ہوتا ہوں اور بغیر پردہ کے پوشیدہ رہتا ہوں

آپ کہتے ہیں کہ آنحضرت کا حقیقۃ الحقائق ہونا اور آپ کا تمام چیزوں کو احاطہ کرنا ذات جواہر کی ماہیت کے احاطہ کی مانند نہیں ہے بلکہ وہ تو صفات اور معانی سب پر مکمل طور پر حاوی ہے کیونکہ مخدوم و محبوب اور مراد کا مشہود ان کے منجملہ ایک ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اس مشاہدہ کے وقت جو تقرب الٰہی سے حاصل ہوتا ہے حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین کی روح پر فتوح موجود ہوتی ہے اور وسیلہ بنتی ہے اور ذات حق سے جدا نہیں ہے کیونکہ محبت و محبوب ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اور خصوصاً ایسا محبوب کہ اس کی محبوبیت ذات مطلق سے تمام شیون و اعتبارات کے لحاظ سے متعلق ہے اور خواہ یہ تعلق شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بعد ہوا ہے یا بغیر شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے یہ بات ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں یہ تمام شیون و اعتبارات کے ملاحظہ کے بعد ہوا ہے کیونکہ آپ مظہر کامل ہیں۔

بعض عارفوں نے کہا ہے ما ارسل الرحمن او یرسل من رحمۃ تصعداً و تنزل فی ملکوت اللہ او ملکہ من لا ما یختص او یشمل الا و المصطفیٰ عبدہ و نبیہ و مختارہ المرسل و اسطۃ فیہا واصل لہا لیعلم ھذا کل من یعقل اور یہ بات مشہود کے تمام مراتب کے لیے ضروری ہے وقال ان روح النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غایت من نفوس باللہ فی اللہ طالب فی وصفہ صلی اللہ و آلہ الحقق المحکوم بالجبل من ادعی معرفتہ اللہ مجردۃ فی نفس الامر عن نفسہ المحمدی کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ مجذوب اور سالک کا ہوسکتا ہے کیونکہ تمیز اور معرفت کی کمی کی وجہ سے یا بے خودی کے فنا کی وجہ سے وہ اس کے ادراک اور دریافت کرنے سے قاصر اور لاعلم رہتا ہے، لیکن فی الحقیقت وہ اپنی جگہ قائم اور دائم ہے اور وہ دراصل علم سے لاعلم ہونے کی وجہ سے جاہل ہے۔ بعض موقعوں پر آپ نے یہ باتیں کہیں لیکن میں نے درگزر سے کام لیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ مشائخین طریقت حضور کے توسط یا عدم توسط کے سلسلہ میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ وہ گروہ جو عدم توسط کا قائل ہے وہ شرکت، ہمسری، اجتبا کا دعویٰ کرتا ہے اور آنحضرت کی عدم توجہ اور عدم مداخلت کا قائل ہے۔ مشائخین بھی اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن حاشا وکلا یہ بات صحیح نہیں ہے۔ تمام ہی آنحضور کے دربار میں نیازمندی، اطاعت اور حاضری و حاجت مندی پر اتفاق رکھتے ہیں دوسرے یہ بات ظاہر ہے کہ شہود واصل میں آنحضرت کا توسط درگاہ خداوندی میں عظمت اور جلال اور ملاقات کا موجب ہے اور عدم توسط دوری اور

محرومی کا سبب۔

عدم توسط کی حکایتوں کا حاصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سالک ہمیشہ خادمانہ آنحضرت کے ساتھ تابع اور طفیلی بن کر رہتا ہے اور آپ سے فیض حاصل کرت اہے۔ جب درگاہ الٰہی کا قرب حاصل کر چکتا ہے تو وہ آگے بڑھ کر اندر داخل ہو جاتا ہے اور حضور کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتا ہے اور توسط ساقط ہو جاتا ہے خود مجلس میں آجاتا ہے بقرب ووسائل کے تخت پر بیٹھ جاتا ہے، کامیاب ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اور آپ برابر ہیں، میں بھی اسی کا بندہ ہوں اب درمیان میں توسط باقی نہیں رہا اگر چہ میں آپ کا تابع اور خادم تھا اور آپ ہی کے وسیلے سے یہاں پہنچا ہوں لیکن آپ اب کوئی واسطہ اور دخل نہیں رکھتے ہیں۔ ہاں اگر پیر و مرشد کے ساتھ یہ بات کہی جائے تو ممکن ہے کیونکہ آنحضرت کی عنایت اور تربیت اور وساطت کی وجہ سے اسرار اس پر منکشف ہوں اور وہ فیض یاب ہو اور پیر کے مقابلہ میں زیادہ تقرب حاصل کر لے اور اس سے بڑھ جائے۔ لیکن یہ بات بڑی قابل تعجب ہے کہ آنحضرت کی اتباع میں آپ کے دربار سے فائدہ حاصل کرے اور پھر مرتبہ میں برابر ہو جائے اور آپ کو درمیان سے ہٹادے اور خود بلا واسطہ مقام تقرب میں پہنچے۔ کیا کوئی عقل مند یا عارف اس بات کو روا رکھ سکتا ہے اور قبول کر سکتا ہے؟ آپ نے یہ عجیب ملایانہ نکتہ بڑی کوشش سے نکالا ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا ہے کہتے ہیں کہ یہ نہ کہنا چاہیے کہ اس عدم توسط سے جو اگر چہ اچھا ہے حضرت خاتم انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے مرتبہ میں کوئی کمی ہوگی میں کہتا ہوں کہ عدم توسط آنحضرت کے کمال کے لیے ضروری ہے نہ کہ کسی نقص کا باعث غور سے دیکھا

جائے تو توسط میں نقص ہے کیونکہ آپ کا مختلف النوع کمال ہے کہ آپ کا تابع، آپ کے اتباع کی وجہ سے تمام مراتب حاصل کرے اور یہ بات عدم توسط میں ہوتی ہے نہ کہ توسط کے موجود ہونے میں، کیونکہ وہاں شہود بے پردہ ہے جو کہ کمال کی انتہا ہے اور اس جگہ یعنی توسط میں در پردہ۔ پس کمال، عدم توسط میں ہے اور قصور توسط میں اور یہ بھی مخدوم کی ہی شوکت و عظمت ہے کہ خادم کسی مقام پر اس سے پیچھے نہ رہے اور اس کی پیروی میں اس کا شریک بن جائے۔ یہ ایک تخیل محض اور شاعرانہ بات ہے، قطعی عقلی دلائل کی بات نہیں ہے مگر چونکہ آپ یہ بات کہتے ہیں اس لیے ہوسکتا ہے کہ کشف صریح اور ذوق صحیح سے آپ نے یہ بات کہی ہو اللہ بہتر جانتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ علما امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے علماء ایسے ہیں جیسے بنی اسرائیل کے پیغمبر) آپ نے اس بات کو اس نقطہ کے ساتھ کس طرح ترتیب دیا اور وابستہ کر دیا ہے۔ آپ کے سابقہ بیان سے خود یہ بات لازم آتی ہے کہ میری امت کے علما نبیوں کی مانند ہیں کیونکہ آپ نے انھیں کمال کے انتہائی درجات پر ثابت کیا ہے اور تمام کمالات میں آنحضرت کا شریک بنایا ہے۔ یہ بات خود بنی اسرائیل کے انبیا سے بالاتر ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک بھی تمام کمالات میں آنحضرت کا شریک نہیں ہے حق بات تو یہ ہے کہ امت کے علما کا مرتبہ انبیا کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تشبیہ باعتبار خلافت و نیابت، احکام شریعت کی تبلیغ کے سلسلہ میں دی گئی ہے چونکہ انبیاء بنی اسرائیل توریت کے تابع تھے اور موسیٰ علیہ اسلام کے برابر تھے۔ محدثین کے پاس اس حدیث کے صحت

ثابت نہیں ہے البتہ یہ حدیث صحیح ہے کہ العلما ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) تعجب تو یہ ہے کہ اس کھلے تصرف اور اس کے برخلاف ارتکاب پر آپ خوش ہیں۔ میرا فرزند شیخ نورالحق کہتا تھا کہ ایک دفعہ آپ کے سامنے اس قول کا ذکر آیا کہ ''الولایۃ افضل من النبوۃ'' آپ نے فرمایا کہ اگرچہ اس کی توجیہات اور تاویلات درست ہیں لیکن یہ بات خلاف حق ہے یہ تو نہیں کہنا چاہیے کہ یہ تناقض ہے لیکن آپ کے کلام میں تناقض بہت ہے۔ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی ولی نبی کے درجہ پر نہیں پہنچتے الیکن حافظ نسفی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں کہ فی الحقیقت بعض لوگوں کے قدم اس سلسلہ میں بھٹک گئے ہیں، انہوں نے ولی کو نبی پر فضیلت دے دی ہے اور یہ کھلم کھلا کفر ہے ''تعرف'' میں جو صوفیہ کی معتبر کتاب ہے اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے (شاید عوارف المعارف میں) کہ اس بات پر سب لوگوں کا اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام انسانوں میں افضل ہیں اور کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے مساوی اور برابر ہو سکے، نہ صدیق، نہ ولی نہ کوئی اور خواہ وہ مرتبہ، عزت اور قدر کے لحاظ سے کتنا ہی بزرگ کیوں نہ ہو۔ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صدیقین کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے انبیا کی ابتدا ہوتی ہے اور انبیا کی انتہا کی کوئی حد نہیں ہوتی اور اسے معلوم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عام مخلوق کی معرفت اور ان کا علم بمقابلہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ نہیں ہے کیونکہ آپ بند مشکیزے کے منہ پر نمی دیکھ کر اس کی حقیقت بتادیتے ہیں اللہ بہتر جانتا ہے کہ کوئی شخص مخلوق میں سے محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پا سکتا۔ اگر تمام

مخلوق اکٹھی ہو جائے اور اپنی معرفت اور علم کو جمع کرے اور جو بات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے اسے پہچاننے کی کوشش کرے کہ اس مشکیزے میں کیا ہے لیکن وہ اس قدر صفات رکھنے کے باوجود بھی اس مشکیزے کی نمی کو نہ پا سکیں گے۔ اگر نمی ہی نظر نہ آئے تو پہچان بھی نہ سکیں گے کہ اس میں کیا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ نماز میں مشغول ہوتا ہے تو جو پردہ بندہ اور خدا کے درمیان ہوتا ہے وہ اٹھ جاتا ہے اسی لئے نماز کو معراج مومن کہا گیا ہے اس سے پورا سرفراز ہو کر انسان واصل بحق ہو جاتا ہے کیونکہ پردہ کا اٹھ جانا دلیل ہے تقرب الٰہی کی پس اس سے توسط اور واسطے کا ختم ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ تشہد میں جو نماز کے آخر میں پڑھا جاتا ہے اور وہ دیدار کی انتہا اور تکمیل ہے، اس وقت کہتے ہیں السلام علیک ایھا النبی (اے نبی آپ پر سلام ہو) اس انتہائی تقرب کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسط اور آپ کی بارگاہ میں سلام و نیاز پیش کرنے سے مستغنی نہیں ہیں، پس توسط ختم ہوا نہ وسیلہ پردہ جو نماز کے وقت اٹھ جاتا ہے وہ پردہ ہے جو تقرب اور حضوری کے وقت ہمارے بیچ میں حائل رہتا ہے توسط اور وسیلہ تو حقیقت محمدی ہے جو جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ اس کا دیدار بغیر توسط اور وسیلے کے ہوگا تو یہ بات بے موقع ہے۔ کیونکہ یہ بات دنیاوی شہود اور رویت کے بارے میں ہے جو کہ بے پردہ نہیں ہو سکتی کم از کم صفات کا پردہ کے بغیر نہیں ہوگا۔ خدائے تعالٰی کی صفات، اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہیں۔ ذات کی صفات کے ذریعہ دیکھنے کو ہی عرف عام میں دیدار ذات کہا

جاتا ہے جو شخص زید کو اس کے طول وعرض، رنگ، شکل وغیرہ کی اس قدر صفتوں کے ساتھ دیکھتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس نے زید کو دیکھا۔ یہ بات کسی نے نہیں کہی کہ آخرت میں صفات کے بغیر مطلق ذات حق کو کوئی شخص دیکھے گا پس اگر روح محمدی جو کہ ذات حق کے لئے صفات کا حکم رکھتی ہے درمیان میں ہو تو کون سا امر مانع ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

آپ کا یہ قول کہ خاص عارفوں کی معرفت سے مراد وہ فقر ہے جو خدائے تعالیٰ نے انہیں محض اپنے کرم سے عطا فرما کر اس کی حقیقت ان پر ظاہر کر دی ہے اور یہ معرفت اشارہ ہے اس بات کی طرف جیسا کہ کہا گیا ہے کہ عدم توسط موجب کمال ہے اور وسیلہ موجب نقصان کیونکہ وہاں دیدار بغیر پردہ کے ہوگا اور یہاں پردہ کے ساتھ اور یہ کمال بالغیر ہے آپ کہتے ہیں کہ مخدوم اور آقا کا کمال وعزت اس میں ہے کہ اس کا خادم اور تابع اس مرتبہ پر پہنچے کہ دولت میں اس کا شریک بن جائے سبحان اللہ یہ کیسا تخیل اور وہم ہے اور مسرت وسرور ہے۔ اس بات کے لوازمات کو آپ نے پیش نظر نہیں رکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو درمیان میں ہوں اور ان سے برابری کا دعویٰ۔ اولیا کو انبیا صلوات اللہ علیہ علیہم واجمعین پر ترجیح دی جارہی ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے جس کے تکرار کی ضرورت نہیں ہے لیکن پھر وہی ایک بات مکرر کہی گئی ہے کہ جو لوگ واسطہ چاہتے ہیں وہ کیوں کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ محبوب رب العالمین اور مقصود دنیا و دین ہیں اور آنحضرت کو پردہ کہتے ہیں اور اس کا نام حجاب رکھتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ عارف کامل اور شاہد جو کہ خدائے تعالیٰ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آئینے میں دیکھتا ہے ہماری جانیں اس پر فدا ہوں سبحان

اللہ اس میں کیا نقصان ہے۔۔۔کون سا کمال اس سے بڑھ کر ہے کہ جمال محمد اور کمال حق ہر دو جلوہ گر ہوں اور منظور نظر ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے اس لیے پیدا کیا ہے کہ آپ کے جمال وکمال کے آئینے میں لوگ خدا کی ذات کا مشاہدہ کریں اور حقیقت کے خلوت کدہ میں آ کر خدا کی ذات اور صفات سے مواصلات کریں کیوں کہ جو کچھ ہے اسی میں ہے جیسا کہ بعض عارفین کہتے ہیں: لا تجلی اشعۃ اللہ بقلب لا من مراۃ سرہ وھو النور المطلق جو پردے کہ دور کرتے ہیں وہ ظلمانی، روحانی، نفسانی اور دنیاوی پردے ہیں جو مقصود کے سامنے پردہ اور شہود کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں جو لوگ کہ ذات محمدی کو پردہ کہتے ہیں اور درمیان سے ساقط کر دیتے ہیں تو پھر وہ کیوں کہتے ہیں کہ ایسا نہ کہنا چاہیے کہ یہ قضیہ انشاءاللہ بروز جزا مشخص ہوگا بلکہ عالم برزخ میں حضور کے سامنے پیش ہوگا اگر میں آپ سے پہلے دنیا سے سدھاروں تو سب سے پہلے آپ کی جو شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں کروں گا وہ یہی ہوگی، واللہ اعلم اور اگر اس دنیا میں بھی واقعات اور حالات سے مطلع کر دیں تو بعید نہیں ہے۔

اس عاجز کی عادت اور طریقہ اس سلسلہ کے مشغولین کی طرح یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ کر کے جمال شریف کا مراقبہ کرتے ہیں وہ آنحضرت کو مراقبہ میں دیکھتے ہیں پھر رفتہ رفتہ وہ بلحاظ استغراق وحضور، ذات حق کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں پھر رفتہ رفتہ وہ بلحاظ استغراق وحضور، ذات حق کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں جسے صوفیہ اتحاد کا نام دیتے ہیں جیسا کہ بیان ہوا حلیہ شریف کا مراقبہ (جو کہ دائمی ہے اور ان دنوں میں جب کہ آپ کی باتیں، حضور کا

ذکراور آنحضور کی جانب توجہ سے ایسی حالت ہوگئی ہے کہ خدا اس میں اور زیادتی کرے) میں تمام عارفوں، واصلان حق، مقربان اور محبوبان خدا کو دیکھتا ہوں کہ وہ زبان حال اور زبان قال سے توسل، گداگری اور طلب امداد کے سلسلہ میں سوائے بندگی، غلامی، نیازمندی اور شکستگی کے کوئی اور بات نہیں کرتے۔ میں نہیں جانتا کہ ان پر کون سا معرفت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور حقیقت کا چہرہ انہیں دکھا دیا گیا ہے کہ وہ ایسی باتیں کررہے ہیں۔ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ آپ نے دھوکہ کھایا ہے لیکن یہ نہیں معلوم کس سے دھوکہ کھایا ہے اللہ بہتر جانتا ہے اور وہ خاتمہ بخیر کرے۔

جناب مخدوم! صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ ان معارف اور تحقیقات وتفصیلات سے قطع نظر (جن کا ذکر کیا جاچکا ہے) آپ بغیر کسی تردد اور تفصیل کے کہہ دیں کہ اول اور آخر میں، ظاہر و باطن میں جو فیوض وفتوح حاصل ہوتے ہیں اور قبل و مابعد، محبوبوں، محبوں کی مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل اور توسط سے حاصل ہوئے ہیں اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے اس سے زیادہ کہا جاسکتا ہے تعجب تو اس پر ہے کہ جو بات قرآن مجید میں کافروں اور جھوٹوں کے بارے میں کہی گئی ہے بل کذبو بما لم یحیطو بعلمہ ھی ولما یاتھم تاویلہ (39,10) آپ اسے فقیروں کی شان میں بیان کررہے ہیں اگر وہ بھی اس آیت کو واصلہ اللہ علی علم پڑھیں تو پھر کیا ہوگا۔

دوسری یہ بات عرض کی جاتی ہے کہ اتباع نبوی کے بارے میں لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے لیے کمالات کا انتساب کرتے ہیں۔ یہ بات سنی گئی ہے کہ آپ نے خطوط میں اس کا پانچ دفعہ ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ تمام مراتب اس میں

موجود ہیں اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کو ایک مرتبہ علم کے نصف حصے میں مقطعات قرآنی کا علم حاصل ہوا۔ اس فقیر کو کیا تعلق کہ یہ کیسے ہوا۔ اقوال و افعال کی اتباع ہونی چاہیے کہ جو کچھ اوامر اور نواہی کے متعلق فرمایا ہے وہ بجالاتے اور اس کی تعمیل بھی کرتے ہیں اور جو کچھ آپ نے کہا ہے ویسا ہی عمل کریں اور انہیں صفات سے خود بھی متصف ہو جائیں۔ اس کے بعد باطن کے حالات کے بارے میں جو کچھ آپ نے اسرار و انوار سے پایا ہے وہ سب یہاں ظاہر ہو جائے گا۔ وہ کون سا شخص ہے جسے یہ تمام کمالات مکمل طور پر حاصل ہیں؟ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے وا کیم نطق ذالک یہ تمام عبادت اور اطاعت کہ رات میں نماز کے لیے اس قدر قیام ہوتا تھا کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اب کہاں ہے ویسا زہد و ریاضت؟ ٹاٹ پر آرام فرماتے تھے اور نان جویں سے کبھی سیر ہو کر روٹی نہ کھاتے تھے کہو کہ کہاں ہے اب ویسی عقل و سخاوت و شجاعت و قوت و رحمت و نرمی و تواضع اور حلم و عفو اور وفا و حق و حسن عہد اور صلہ رحم اور اس جیسی باتیں جو احادیث میں بیان کی گئی ہیں؟ آنحضرتؐ میں ان صفات اور اخلاق کے کمالات موجود تھے اور وہ انتہائی درجہ میں موجود تھے ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ مسلم ہے کہ اتباع کے مطابق فیوض حاصل ہوتے ہیں اور تقرب حاصل ہوتا ہے آپ نے خود اس بارے میں سخت تاکید فرمائی تھی اور آپ کی حدیثوں میں اکثر اتباع کا ذکر فضل الٰہی کے ذکر کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے اتباع کے بارے میں کہا گیا ہے بلکہ فضل الٰہی کا ذکر محض شبہ دور کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ صحیح کشف اور صحیح الہام کے ذریعہ یہ بات یقین تک پہنچتی

ہے کہ اس راستے میں کوئی دقیقہ (باریک بات) اور اس جماعت کی معرفتوں میں سے کوئی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور واسطے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس متفقہ دینی مسئلے میں کشف و الہام کی کیا ضرورت ہے اس واسطے کہ دین کے کمالات اور مسلمانی صفات اسی بات پر منحصر ہیں اور گویا صرف دقائق اور معارف کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے اور خصوصاً اس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ یقین کے ساتھ جاننا چاہیے کہ یہ سب کچھ آپ کی اتباع اور آپ کے حکم کی تعمیل کا ہی کمال ہے اور آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا جیسا کہ پہلے خط میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء اور آپ کے توسط اور توسل کی کامل ضرورت پر زبان کشائی کی گئی ہے جو جان کو سیراب اور دل کو شاداب کرتی ہے اور جس سے تمام توہمات اور بدگمانیاں ختم ہو جاتی ہیں لیکن ان تمام وسیلوں کے چھوڑنے کے بعد اور دقائق و معارف میں سے اس کو مستثنیٰ کرنے کے بعد پھر گستاخی اور بے ادبی کیوں کی جا رہی ہے؟

اب ہم سکر اور صحو کی حکایت کی طرف آتے ہیں مسلم ہے کہ اصحاب صحو، اصحاب سکر سے افضل ہیں کیونکہ اصحاب سکر وقت کے تابع ہیں اور حال کی کیفیت ان پر حاکم ہے اور ان کو ابن الوقت بھی کہا جاتا ہے اور نفس اور احوال کے تنگ کوچہ سے وہ ابھی نہیں نکلے ہیں۔ وہ اصحاب صحو سے جو کہ ان دشوار راستوں سے نکل چکے ہیں اور حاکم اور غالب ہو چکے ہیں، وہ وقت پر حاکم ہیں اور ان کو ابو الوقت کہا جاتا ہے، ان کو ان سے کیا نسبت؟ پس بعض قطب جو کہ منتخب ارباب صحو و تمکین میں سے ہیں؟ بعض دیگر مشائخین پر فخر و مباہات کرتے ہیں وہ خدا کے حکم سے ہے نہ سکر کی

وجہ سے چنانچہ حضرت غوث الثقلین امام الفریقین شیخ عبدالقادر گیلانی نے فرمایا ہے قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ (تمام اولیا کی گردنیں میرے قدم کے نیچے ہیں) ایک اور بزرگ نے فرمایا ہے کہ من تحت خضراء السماء یہ یا اس جیسی باتیں حکم خداوندی سے ہوتی ہیں یہ کیفیت سکر کے غلبہ اور حال کی وجہ سے یا سکر غیرت اور بدتمیزی کی وجہ سے نہیں ہوتی اور یہ ''ہذا'' کا اشارہ اس کے منافی نہیں ہے۔ روایت ہے کہ بعض احوال اور مقامات میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قدموں کو اپنے قدموں پر رکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تیرے قدم میرے قدم ہیں۔ پس اس کے بعد شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ '' قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' پس یہ بات حکم الٰہی کی تعمیل میں ہوئی ہے جو کہ ذکر نعمت کے طور پر کہی گئی ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر ارباب صحو، مشائخ اور اولیا میں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں کیا فرق ہوا کیونکہ بعض نے تو کوئی دعویٰ کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ وہ بات نہیں کرتے مگر خدا کی اجازت سے اور خدا کے حکم سے کرتے ہیں۔ پس جسے حکم ہوا اس نے کہہ دیا اور جسے حکم نہیں ہوا اس نے نہیں کہا ایک شیخ وقت سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت شیخ عبدالقادر نے یہ کلمہ حکم سے کہا تھا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں حکم سے کہا تھا اور کہا کہ قطب کی یہی نشانی ہے کہ جب اسے خاموشی کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے اور اسے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہیں اور بعض لوگوں کو بولنے کا حکم ہوتا ہے تو ان کو کہے بغیر چھٹکارہ نہیں ہے اور یہ اس کی قطبیت کے کمال کی دلیل ہے کیونکہ یہ اس کی شفاعت کا نشان ہے صاحب عوارف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عقل اور اپنے علم

کی بنا پر اس بات کو اور اس جیسی باتوں کو سکر کی کیفیت اور حال کے غلبہ اور نفس کے جوش پر محمول کیا ہے۔ شیخ نے اس جماعت کی تعریف کرنے کے خیال سے اور اس کے عدم حضور کی بنا پر جیسا کہ آپ نے مصلحت وقت کے لحاظ سے اس خط میں جو سکر کی بڑائی اور بزرگی ظاہر کی ہے، اس لحاظ سے وہ شیخ کی عبارت کے بالکل بر خلاف ہے۔ شیخ کی عقل نے اس جگہ ایسا ہی کام کیا ہے، اسے کیا کہہ سکتے ہیں ان کا قول اس وقت کے مشائخ کرام شیخ ابو مدین مغربی اور شیخ نجیب الدین سہروردی (جو کہ شیخ شہاب الدین کے پیر تھے) اور دوسرے مشائخ عظام (کہ ان کی فہرست بہت طویل ہے) کے اقوال کے بر خلاف ہے۔ چنانچہ بہجۃ الاسرار میں جو کہ ایک معتبر کتاب ہے اور اس کا ذکر ذہبی کی کتابوں میں موجود ہے (جو کہ مشائخ اور علما محدثین میں سے تھے اور علما متاخرین میں سے شیخ محمد خردی وغیرہ کی کتابوں میں بھی اس کتاب کا ذکر موجود ہے اس مصنف کا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت غوث الثقلین تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی مثلاً روضۃ الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر میں جو کہ مجد الدین صاحب قاموس کی تالیف ہے اور امام عبداللہ یافعی وغیرہ کی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہے۔

آپ کے مریدوں کو میں نے اس سلسلہ میں تین قسم کا پایا ہے۔ ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ ہم کیا جانیں وہ جو کچھ کہتے ہیں ہم میں ان کی باتوں کو سمجھنے کی طاقت کہاں ہے، جو کچھ وہ کہتے ہیں ہم اس پر اعتقاد لے آتے ہیں کہ حق ہے۔ دوسری جماعت کہتی کہ یہ باتیں سکر اور بے خودی کی وجہ سے ہیں۔ تیسری جماعت یہ کہتی ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور کرتے ہیں وہ حکم الٰہی سے ہے اگر قطعی دلائل ہنشانیوں

اور کرامات کے ذریعہ جو آپ کے بارے میں منقول اور مذکور ہیں۔ ہم بھی اس کا مشاہدہ کرلیں گے تو اپنے خیالات اور حکامات پر نظر ثانی کرلیں گے، ماسوائے ان حکام کے جس سے سرور کائنات کے بارے میں گستاخی اور بے ادبی لازم آتی ہے ان باتوں کو ہم برا سمجھتے ہیں ان اللہ لا یامر بالفحشا والمنکر اور ہر موقعہ پر جیسا کہ اس فقیر کی عادت ہے ہم توقف اور تامل کرتے ہیں اور صحو اور تمکین کی مدد سے اس پر عمل کرتے ہیں لیکن آپ نے خود اپنی زبان مبارک سے یہ اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص ایسی باتیں کہتا ہے تو وہ سکر کی حالت میں کہتا ہے اور آپ نے سکر کو صحو پر ترجیح دی ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ صحو بغیر سکر کی آمیزش کے بالکل غلط ہے اور خالص صحو کی کیفیت تو عوام کو بھی نصیب ہو جاتی ہے یہ باتیں بناوٹی پیر اور پسندیدہ نہیں ہیں۔ جہاں ایسی بے تمیزی اور ناواقفیت ہو تو پھر حقیقی باتیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔ حقیقت میں سکر اور صحو ایک دوسرے کی ضد ہیں، یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ خالص صحو جسے عوام کا نصیب کہا گیا ہے وہ عارفوں، کاملوں اور خاص لوگوں کے کس قول کے مطابق ہے آپ کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بزرگوں میں جو صحو کی کیفیت تھی، وہ صحو محض تھی، اس میں سکر کی آمیزش نہ تھی اور اس طرح ان شمار عوام میں ہوتا ہے۔ یہ کیسی بات ہے؟ آپ نے کہا ہے کہ بسطامی کا سکر ہی تھا کہ جس کی وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی کہ لوائی ارفع من لواء محمد (میرا جھنڈا احمد کے جھنڈے سے بلند ہے) اس عبارت سے آپ کا منشا سکر کی تعریف کرنا اور اس کی اعلیٰ شان بیان کرنا ہے اس خط میں آپ نے لکھا ہے کہ بسطامی کے "سبحانی" کہنے اور میرے "سبحانی" کہنے میں بہت فرق ہے کیونکہ ان

کا سبحانی کہنا تو دنیا اور نفس کے دائرہ کی بات ہین، ان کی بات سکر کے سر چشمہ سے پھوٹ کر نکلی ہے حالانکہ میری بات صحو کے چشمے سے برآمد ہوتی ہے یہاں آپ نے صحو کو ترجیح دی ہے اور اس پر فخر و مباہات کیا ہے، اور کہا ہے کہ دل پر حال کے ظاہر کے بعد دل سے ایسی کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی، جسے اس حال کے ظاہر کے بعد دل سے ایسی کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی، جسے اس حال کے ظاہر ہونے سے پہلے پوشیدہ رکھنا واجب تھا۔ یہ بات دو چیزوں پر مشتمل ہے ایک تو یہ کہ ایک بری اور قبیح چیز ہے، اس وجہ سے اس کا چھپانا ضروری تھا یا یہ کہ وہ چیز اچھی تھی لیکن اس کے چھپانے اور پوشیدہ رکھنے میں دینی مصلحت درپیش تھی یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ اللہ والوں کی باتوں سے ظاہر ہے وہ ویسا ہی ہوگا اور پہلی قسم سے نہ ہوگا عدم عصمت کی وجہ سے اس کا پوشیدہ رکھنا نہایت ضروری ہے اور جس کی تعمیل بہر حال لازمی ہے۔ صاحب سکر معذور و مجبور ہوتا ہے اگر اس میں بے اختیاری کامل ہے تو اس میں اختیار اور تکلف کو دخل نہیں ہے اور جیسا کہ بزرگوں کے اقوال میں درج ہے اس سکر کی بے حد تعریف کی گئی ہے اور اسے تسلیم کیا ہے بے چارے اصل بات کو معلوم نہ کرنے کی وجہ سے سایہ میں گرفتار ہیں۔ حضرت خواجہ کی زبان سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ شیخ عبداللہ انصاری نے فرمایا ہے: "ہم پر بہت جھوٹے اتہام لگائے گئے، ان میں ایک یہ ہے کہ میں نے کہا ہے کہ میں نے اپنا ضمیر عرش کے پہلو میں رکھ دیا ہے اور میں نے لوائی ارفع من لوای محمد والی بات کہی ہے جو پہلی بات سے بھی زیادہ بری اور قبیح ہے اور ان کے قول سبحانی کی یہ تاویل مشہور ہے اور عارفوں میں اس کا ذکر ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ بات خدا کی طرف سے کہی ہے بیان کیا جاتا

ہے کہ یہ شیخ جنید بغدادی کے اقوال میں سے ہے هو العارف والمعروف و لون الماء لون انایه والمحدث اذا قران بالقدیم لم سبق له اثر بر تقدیر صحة ان سے ان باتوں کا صدور فنا فی التوحید کے سلسلہ میں ہوا ہے اور یہ اس جماعت کے مذہب اوران کے مقام کا حال ہے اب اس جگہ سکر کیا معنی رکھتا ہے؟ شیخ ابن عربی جو وحدت وجود کا ذکر کرتے ہیں اور اسے ثابت قرار دیتے ہیں اس لحاظ سے سکر نہیں ہے، ان کا مذہب اور عقیدہ یہی ہے اگر شیخ جنید کا بھی مذہب یہی ہے تو خیر ورنہ وہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ذات خداوندی حقیقت ہے اور بالاصل ہے اور مخلوق کا وجود بالعرض اور عارضی ہے اس مخلوق کا اضمحلال اور فنا شہود کی نظر میں اور وجود حقیقی اور غلبہ و برتری کے مقابلہ میں ولون الماء لون انایۃ کے مطابق خدائے تعالیٰ کی صفات اور افعال کے ظہور کے لیے ایک تمثیل اور تصویر ہے، جو مخلوق کی قابلیت اور استعداد کے مطابق ظاہر ہوتی ہے نہ کہ ذات خداوندی آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ اہل وحدت کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ اگر خالص صحو ہو تو ایسی صورت میں بھیدوں کا افشا کفر ہے اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جاننا شرک ہے سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ کوئی کلیہ نہیں کہ جو بات صحو کے ذریعہ ہو اور حکم سے ہو تو کفر نہیں ہے اگر یہ بات صحیح ہو اور اس کے بیان کرنے میں کوئی مصلحت فوت نہ ہوتی ہو تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا اظہار اہل صحو کے لیے ممنوع ہے لیکن خود کو دوسروں سے بہتر جاننا کیسے شرک ہوسکتا ہے؟ اگر بظاہر یہ بات سہو قلم سے ہے تو صحیح بات کیا ہے؟

اور آپ نے لکھا ہے کہ اس فقیر نے اس جماعت کے اسرار اور علوم کے بارے

میں جو دفاتر لکھے ہیں وہ سکر کا ذائقہ چکھے بغیر لکھے ہیں حاشا وکلا کہ وہ تو حرام ہے اور بری بات ہے اور شیخی اور بڑائی ہے۔

اب تک تو میرا یہ گمان تھا کہ آپ نے اپنے کلام میں سکر کا لفظ کنایۃً استعمال کیا ہوگا یا جو کچھ پہلے لکھا گیا ہے اس کی درستی اور تصدیق کے لیے ہوگا۔ اس سکر کے ذکر سے جو کہ سکر کو ثابت کرنے کے لیے کیا گیا ہے معلوم تو ایسا ہوتا تھا کہ آپ صاحب صحو وتمکین ہوں گے اور آپ سکر اور تلوین سے پاک اور مبرا ہوں گے، لیکن اب یہ معلوم ہوا کہ آپ صاحب سکر ہیں اور ظاہر ہے کہ اہل سکر کا مرتبہ محدود اور معین ہے پس آپ نے جو کچھ تحقیق وتدقیق کی ہے وہ سکر کے سلسلے میں ہے اگر یہ بات سکر کی بنا پر ہے اور طریقت وحقیقت کے قواعد کے مطابق واقع ہوئی ہے جیسا کہ اس کے اثبات کے لیے حقائق ومعارف کے بیان کرنے سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر کیا غم ہے؟ اگر آپ میں قدرت ہے تو پہلے آپ کو کہنا چاہیے کہ کوئی چیز مستی و بے خودی کی حالت میں واقع ہوگئی تھی اور اس نیستی کے غبار کے چھٹ جانے کے بعد جو کچھ کہ اس کا ذکر زمانہ کے صفحہ پر نمودار ہو گیا تھا اس کو مٹا کر توبہ کر لی ہے کیونکہ کلام السکاری یطوی ولا یروی تعجب تو یہ ہے کہ ایسا شخص جسے تمام فضائل وکمالات محمدی حاصل ہو جائیں اور جو اتباع کے کمال کو پہنچ کر تقرب الٰہی حاصل کر چکا ہو وہ تمام چیزوں کو چھوڑ کر اور حقیقت کو بے پردہ دیکھ کر اور پا کر بھی سکر کے چکر میں رہے تو دوسرے کیا کریں گے جو اصل تک نہ پہنچ کر سایہ میں ہی رہ گئے ہیں ان کا یہ حجاب سکری حجاب اور بدتمیزی کی وجہ سے واقع ہوا ہے تو کوئی تعجب نہیں۔

اور آپ نے لکھا ہے کہ کلام کرنے والے جو صحو خالص سے متصف ہیں ان میں

سے بھی بہت سے اس میں کوئی بات نہیں کر سکتے اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتے۔ اگر دلوں سے مراد خاص لوگوں کے دل ہیں تو ایسی باتیں ان پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہیں اور ان کو خوش کر سکتی ہیں، بلکہ ان میں تنفر اور بیزاری پیدا ہوتی ہے اور اگر اس سے مراد لوگوں اور عوام کے دل ہیں تو اس سے ان کا کیا مقصد ہے اور اس کا کیا اثر ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کسی بات کا اعتبار اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں اصلیت نہ ہو بہت سے لوگ کامل لوگوں کی باتیں تو کرتے ہیں اور دلربا انداز بھی جانتے ہیں لیکن وہ کامل نہیں ہوتے الحمدللہ جس مقام پر آپ ہیں وہ مقام کمال ہے اور آپ کی باتیں بھی بہت اچھی اور دل فریب ہیں، لیکن یہ بری باتیں جس کے ذریعہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بے ادبی اور گستاخی کرتے ہیں، وہ آپ کی اچھائیوں کو چھپا لیتی اور بدنام کر دیتی ہے۔ بعض اس راہ کے مسکین اور اس بارگاہ کے خاکسار اور اس کوچہ کے گداگر ہیں جو باوجود کمیابی کتب و دفاتر کے معاملہ کے احکام اور طریقت کے قواعد کے بارے میں ان سے زیادہ لکھتے ہیں لیکن کوئی ایک بات ان سے ایسی سرزد ہو جاتی ہے جو کہ خلاف شریعت ہو اور موجب طعن ہو، لیکن وہ شاہراہ طریقت سے نہیں ہٹتے۔ خدائے کریم ان کی باتوں کو اہل ایمان کے باطن میں اور صادقوں کے قلوب میں ڈال دیتا ہے اور اس کو شرف قبولیت بخشتا ہے مشائخین کی ہدایت کے مطابق ان کی شان میں ولا یتکلم بالحقائق والد قائق بین بل للحق علم المعاملات و ما یتمون به من العیوب کہا گیا ہے اسی طرح لکھا جائے گا اور خدا کے پاس اور رسول کے پاس قبول کرلیا جائے گا، انشاء اللہ انتظار کرو کہ

قیامت میں یہ چیز آپ کے کام آئے گی اس طرح ہمارے راستے میں حائل ہو کر شکستہ دلی خرید تے ہیں، حالانکہ خود فروشوں کے بازار کا راستہ دوسرا ہے۔

جب تک سید الطائفہ کا یہ ارشاد باقی ہے کہ العبارت و دقت الاشارت و ما ینفعها الا رکعات فی اللیل، اس وقت تک ایمان کا غم کھانا چاہیے، یعنی ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور اپنی سابقہ باتوں کے متعلق سوچنا چاہیے کہ کیا کیا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ یہ باتیں جو اسرار پر مبنی ہیں اور خدا کی مظہر ہیں ہر وقت مشائخین طریقت سے ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ایسی بات نہیں کہ میں نے اپنے دل سے گھڑی ہو۔ ولیس هذا اول قارورة کسرت فی الاسلام

آپ توحید کے اسرار کے افشا پر مشتمل باتوں اور شطحات میں مصروف رہتے ہیں کہ عوام کی عقل وفہم وہاں تک نہیں پہنچتی اور آپ اس کو موہومات مہمات کا نام دیتے ہیں۔ ایسی بہت سی باتیں ہیں جو آپ کرتے ہیں، لیکن ایسی باتیں جو آپ اولیا اللہ کے بارے میں اور خصوصاً حضرت سید المرسلین کے بارے میں کرتے ہیں اور پھر ہم سری اور برابری کا دعویٰ کرتے ہیں کوئی دوسرا نہیں کرتا کیونکہ کسی عقلمند نے کہا ہے:

با خد دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

ظاہر ہے کہ یہ بات بے ادبی اور گستاخی کی ہے میں اس بات کو صرف نمائشی نہیں سمجھتا کیونکہ وہ صحیح نہیں ہے اور آپ نے اس بات کو کشف سے اور دلائل سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور آخر میں سکر کے بہانے پر بات ختم ہوتی ہے اور خود کو شریعت کی قید سے آزاد کر لیتے ہیں آپ کے برخلاف کیسی کیسی باتیں کی گئیں اور

اب بھی لوگوں کی زبانیں آپ کے برخلاف طعن و تشنیع کے لیے کھلی ہوئی ہیں۔ آپ کا قول ولیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام بھی عجیب ہے جو اس برائی کے اعتراف کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ شکستہ شیشہ پھر نہیں جڑ سکتا، اسی طرح زبان کا زخم بھی نہیں بھر سکتا (و کذالک لا یلتیام ماجرح اللسان) آیت کریمہ: مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (18,50) اور حدیث شریف: کف ھذا یعنی اللسان، اس باب میں کافی ہیں و اللہ اعلم۔

یہ کلمات حال کے معلوم کرنے اور اس کے انکشاف کے ارادے سے اور فرقہ مذکور کے دل کو تسکین دینے اور ان کا رنج والم دور کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ میرا خیال تو یہ تھا کہ اس سلسلہ میں کچھ تھوڑا سا لکھ دوں اور نفس کے الزام سے رہائی پالوں۔ اصل مقصد تو نصیحت، خیر خواہی اور آپ کے حال کا انکشاف تھا کیونکہ الدین نصیحتہ اس تحریر کو چند مجلسوں میں مکمل کیا اور ہر بار خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں نفس کے شر سے اور ماحول کے اثر وقوت سے بچنے کے لیے استخارہ کر لیا کرتا تھا اور اس کے بعد لکھتا تھا۔ امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اس کے بعد مجھے معذور سمجھے گا اور اجر دے گا۔

میرا گمان آپ کے متعلق نیک ہے اور مجھے جتنی محبت اور خلوص آپ سے ہے، شاید ہی کسی کو ہو۔ صاحب کشف المحجوب نے حسین بن منصور حلاج کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی میرے دل میں عزت ہے لیکن ان کا طریقہ کسی طرح بھی پسندیدہ نہ تھا۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے اس فقیر کو آپ بھی عزیز ہیں اور آپ کا طریقہ بھی عزیز ہے، لیکن یہ جو باتیں آپ نے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے بارے میں فرمائی ہیں اس کی مجھے برداشت نہیں ہے آپ نے جو کچھ مشائخین کے بارے میں باتیں کہی ہیں اس کو تو خیر میں نے جبراً وکرہاً برداشت کرلیا ہے لیکن ان باتوں کا برداشت کرنا اس فقیر کی قوت سے باہر ہے اور میری دعا ہمیشہ بعد نماز خلوت اور جلوت میں یہ رہی ہے کہ :اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه اللھم اجب

اس کے بعد چونکہ آپ کی عام شہرت ہے میں یہ بات پوشیدہ طور پر کہتا ہوں کہ :اے خدا! یہ شخص اپنے اپنے کمالات سے متعلق ایسی باتیں کرتا ہے اگر وہ سچا ہے تو اس کے سچے اور صادق ہونے کی کسی دلیل سے بطور الہام ہمیں مطلع فرما اور ہمارے شکوک وشبہات کو دور فرما اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو سیدھے راستے پر لے آ اور اسے اس روش سے روک دے۔

ایک بار میں نے سنا کہ اس فقیر کے سلسلے میں آپ کہہ رہے تھے کہ :ان یک کاذبا فعلیه کذبه وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعد کم التماس یہ ہے کہ اگر آپ لوگوں نے اس طریقے کو اختیار کرلیا ہے تو اس کو ترک کر دیں اور اس کے ترک کا اعلان کر دیں تو تمام دوست آپ کی اطاعت وفرمانبرداری کریں گے، لیکن اس طرح نہیں جس طرح کہ جناب نے اپنے آپ کو اہل سکر سے وابستہ کرلیا ہے۔ حضرت یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ بوقت وصال انہوں نے فرمایا تھا :اللھم ان کنت قلت یوماً سبحانی اعظم شانی، فالیوم انا مجوسی اقطع زناری و قیل اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمد عبده ورسوله الحمد لله کہ میرا کلام دو شہادتوں پر ختم

ہوا ہے خدا خاتمہ بخیر کرے وصلی اللہ علی سید المصطفیٰ الامین خلاصۃ الوجود ومرکز ظہور وینبوع الحق ولسان محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ہداۃ طریق الحق ونجی علوم الدین۔

☆☆☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر

تدبر قرآن

جلد اول

مقدمہ و تفاسیر آیہ بسم اللہ، سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ و سورہ

آل عمران

سائز 22x29/8 صفحات 880

آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

ہدیہ 30 روپے

(محصول ڈاک: ایک روپیہ پچھتر پیسے)

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ کرشن نگر لاہور نمبر 1

☆☆☆☆☆☆